ĪQĀN -Vol: 04, Issue: 02, Jun-2022
DOI:10.36755/iqan142.2022,PP: 40-52

OPEN ACCESS
Name
3336-2617pISSN:
3700-2617eISSN:
www.iqan.com.pk

مطالعہ استشراق اور مسلمان محققین: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Muslim Scholars and The Study of Orientalism: An Analytical Study

* **Dr. Riaz Ahmed** < riazahmad.isl@gmail.com >
Assistant Professor, Department of Islamic studies, Govt. Graduate College, Samanabad, Faisalabad.
** **Dr. Rafi u Din**
EST Govt. High school, Chanawala, jang

Version of Record
Received: 30-April-22; **Accepted** :13-May-22; **Online/Print**: 30-Jun-22

ABSTRACT
The aim of this research paper is to analyze and determine the role and scope of the works of Muslim scholars on Oreintalists. Muslim scholars have done an exclusive works in this field of research. They have responded literally, morally and logically to all those lame excuses which Oreintalists have raised about Islam. Many Muslim scholars have sacrificed their lives in this service of Islam. But the research of Muslim scholars on Oreintalists also indirectly affects Muslim Ummah, especially the works of those Muslim scholars who presented their research works in local languages (Urdu, Arabic, Persian, Malay etc). This way of research helps Oreintalists views to penetrate in Muslim Ummah because the common Muslims have an easy access to the works of Oreintalists in their own languages. This paper also discussed those parameters which a Muslim scholar must keep in mind while researching on Oreintalists.

Keywords: *Oreintalists, Muslim scholars, research, effects on public, analytical study*

CC BY

استشراق اور مستشرقین کا لفظ اسلامی حوالے سے ان مغربی سکالرز کے لیے مستعمل ہے جو اپنے مخصوص مقاصد کے تحت قرآن، حدیث اور علوم اسلامیہ پر تحقیق کرتے ہیں۔اس تحقیق میں ان کے مختلف مقاصد پوشیدہ ہیں جن میں مذہبی، سیاسی، تہذیبی اور معاشی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں یہ گمان کرتے ہیں کہ اس طرح ایک طرف تو وہ لوگوں کو اسلام سے بدظن کر کے انھیں اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ جو اسلام کو بطور دین اپنا چکے ہیں انھیں کسی نا کسی طرح اس سے منحرف کر دیا جائے۔اور اگر بالفرض وہ اسلام سے منحرف نہیں بھی ہوتے تب بھی ان کے اذہان میں جدیدیت، سیکولرازم اور ماڈریشن کا بیج بو دیا جائے تاکہ وہ قرآن وسنت کی تشریحات اس انداز میں کریں جو اسلام کے علاوہ سب کچھ ہوں،اور وہ استشراقیت کے جدید طبع شدہ اسلام کے پیرو ہوں جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔اس کے ساتھ ساتھ تقلید پسندی، قدامت پسندی، بنیاد پرستی،اور دہشت گردی کی اصطلاحات کو اس انداز میں پیش کیا جائے جو صحیح العقیدہ اور قرآن وسنت کے متبع لوگوں پر صادق آئیں۔تاکہ انھیں لوگوں کی نظروں میں گرادیا جائے اور لوگ خود ہی اسلام سے نفرت کرنے لگیں گے۔بقول سموئیل زویمر (Samuel Mrinus Zwemer)

"تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی عقیدے کو متزلزل کر دو۔اگر تم ان کو اسلام کے متعلق متذبذب بنانے میں کامیاب ہوگئے تو یہی تمہاری کامیابی ہے، خواہ مسلمان مسیحیت کے حلقے میں داخل نہ ہوں"[1]

عصر حاضر کے مستشرقین کا زیادہ تر تعلق مغرب سے ہے اس لیے ان کی اسلام پر تحقیقات بھی زیادہ تر مغربی زبانوں میں ہی ہیں۔جن میں فرنچ، ڈچ، جرمن، اطالوی، رشین اور خاص طور پر انگریزی شامل ہے۔انگریزی کو خصوصیت اس لیے حاصل ہے کہ کسی بھی یورپین زبان میں لکھی گئی کتاب کی ٹرانسلیشن انگریزی زبان میں دستیاب ہو جاتی ہے۔جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ان مستشرقین کا مقصد اعظم اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ کو نہ صرف بدنام کرنا ہے بلکہ لوگوں کو ان سے بدظن کرنا بھی ہے۔اس لیے جب بھی کسی یورپی مصنف (مستشرق) کی کسی ایسی کتاب کا پتہ چلتا ہے جس میں اسلام کو کسی بھی حوالے سے گرانے یا بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہو تو بلاد اسلامیہ کے محققین ایمانی جذبے کے تحت اسلام اور بانی اسلام اور علوم اسلامیہ پر کی گئی ہفوات اور ہرزہ سرائی کا تحقیقی انداز میں نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ مدلل انداز میں اسلام کی صحیح تصویر بھی پیش کرتے ہیں۔جو یقیناً ایک قابل تحسین کام ہے۔یوحنا دمشقی سے لیکر آج تک کے مستشرقین پر تقریباً تمام دنیا کے مسلمان تحقیقی کام بڑے احسن انداز میں سرانجام دے رہے ہیں۔اس کام پر وقت، پیسہ اور تمام تر توانائیاں صرف کی جارہی ہیں۔مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح ہم اسلام کی خدمت کر رہے ہیں یا مستشرقین کی؟ قلعہ اسلام کو مضبوط بنا رہے ہیں یا ایک ایک کر کے اس کی بنیادوں میں دراڑ پیدا کر رہے ہیں۔ ہم اپنے اس تحقیقی کام کے ذریعے مستشرقین کے افکار و نظریات پر قدغن لگا رہیں یا ان کے بے تکے، اپاہج اور لنگڑے لولے خیالات کو بال و پر عطا کر رہے ہیں یا ان کے سطحی اور خلاف اسلام خیالات و نظریات کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر رہے ہیں جس میں وہ خواص سے نکل کر عوام تک رسائی حاصل کر جاتے ہیں۔اس کام کو اغیار

[1] محمد الدحان، قوی الشر المتحالفہ و موقفھا من الاسلام والمسلمین (القاھرہ: دار الوفا للطباعۃ والنشر المنصورہ)، 136

نہیں بلکہ جانے ان جانے میں ہم خود سرانجام دے رہے ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ اس بات کو جاننا اور اس کی تہہ تک پہنچنا اس مقالے کا مقصد ہے۔ مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور ہنوز یہ کام بڑے زور وشور سے جاری ہے۔ ان کے کام اور تحقیق کو دیکھ کر ہر محقق کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مستشرقین مذہب اسلام پر ہی اتنے مہربان کیوں؟ اسلام کے علاوہ باقی مذاہب بھی دنیا میں موجود ہیں۔ اور ان کے ماننے والوں کی تعداد بھی کافی ہے۔ اور بعض مذاہب تو ایسے ہیں جو گو عددی لحاظ سے مسلمانوں سے کم ہی سہی لیکن سیاسی اور معاشی طور پر انھوں نے دنیا کو اپنے پنجے میں جکڑا ہوا ہے لیکن پھر بھی ان محققین کی نظر کرم ان پر اس انداز سے نہیں پڑتی جس طرح اسلام پر پڑتی ہے۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک وجہ سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ اسلام کی اشاعت سب سے زیادہ ان علاقوں میں ہوئی جو مسیحیت کے زیر کنٹرول تھے اور مستشرقین میں سب سے زیادہ تعداد بھی مسیحیوں کی ہی ہے۔ اور دوسری وجہ جب عسکری میدان میں ان لوگوں کو شکست ہوئی تو انھوں نے قلم و قرطاس کے ذریعے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ جس میں ان کا حسد بغض اور کینہ سب کچھ شامل تھا اور ہے۔ لیکن جہاں ایک اور سوال ذہن میں آتا ہے کہ مستشرقین کی تحقیق کا مقصد اہل اسلام کو اسلام سے بدظن کرنا ہے یا دوسروں اور خاص طور پر اپنے ہم مذہب لوگوں کو اسلام میں داخلے سے روکنا ہے؟۔ پطرس محترم (Peter the Venerable) جس نے قرآن کے ساتھ ساتھ کئی عربی کتب کے لاطینی زبان میں تراجم کرائے۔ اپنی ان کاوشوں کا ذکر کرتے ہوتے کہتا ہے کہ اگرچہ میری ان کوششوں سے مسلمانوں کو مسیحی بنانا ممکن نظر نہیں آتا لیکن پھر بھی میرا فرض بنتا ہے کہ اپنے ہم مذہب کمزور بھائیوں کی مدد کروں جنھیں تھوڑی سی کوشش سے اپنے دین سے دور کیا جاسکتا ہے۔[1] مستشرقین کی کتب میں یہ دونوں امور مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی دوسرا یعنی اپنے ہم مذہب لوگوں کو اسلام میں داخلے سے روکنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ بقول کیتانی:

> "ہم اسلام کو اس لیے سمجھنے کی کوشش اور اس پر تحقیق کرتے ہیں کہ ان اسباب کو تلاش کریں جنھوں نے مسیحیوں کو مسیحیت ترک کرنے پر آمادہ کیا اور جو ابھی تک محمد (ﷺ) اور ان کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں"[2]

برناڈ لوئیس (Bernard Lewis) کے مطابق:

> "Medieval Christendom did, However, study Islam for double purpose of protecting Christians From Muslims blandishments and converting Muslims to Christianity, and Christian scholars, most of them are priest and monk, created a body of literature concerning the faith, its prophet, and his book, polemic in purpose and often scurrilous in tone, designed to protect and discourage rather than to inform.[3]

---

[1] زقروق، محمود حمدی، الاستشراق والخلیفۃ الفکریۃ للصراع الحضاری (القاہرہ: دارۃ المعارف، بیروت)، 25

[2] قحطان حمدی محمد، ادوار المستشرقین فی تشویۃ المعالم سبۃ النبویۃ (قاہرہ: دار لمنار، 2005)، 69

[3] Bernard Lewis, Islam and the West,(New York: Oxford University Press,1994), 85-86

"قرون وسطی کے مسیحیوں نے اسلام کا مطالعہ دوہرے مقاصد کے لیے کیا،ایک طرف تو وہ مسیحیوں کو مسلمانوں کی چاپلوسی سے بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کو مسیحی بنانا۔ مسیحی محققین زیادہ تر راہب اور پادری تھے جنھوں نے ان کے عقیدہ،ان کے پیغمبر اور کتاب کے بارے میں ایسا لٹریچر تشکیل دیا جو مقصد کے لحاظ سے مناظرانہ (متعصب) اور لہجہ میں تضحیک آمیز تھا،اور اس کا مقصد معلومات کا حصول نہیں بلکہ مدافعت اور حوصلہ شکنی تھا"

پھر اسی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ ڈر اور خوف جس نے اہل یورپ کو عربی کے مطالعہ پر مجبور کیا جس نے آگے چل کر صدیوں بعد استشراق کی شکل اختیار کرلی۔ مغربی یورپ کی خانقاہوں کے پادریوں نے جانفشانی سے عربی زبان سیکھی، قرآن کا ترجمہ کیا اور دوسرے اسلامی علوم دوہرے مقاصد کے لیے سیکھے۔سب سے پہلا اور اہم مسیحیوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنا اور دوسرا ایک مبہم سی امید کہ مسلمانوں کو مسیحیت میں داخل کیا جائے۔بہت صدیوں بعد انھیں احساس ہوا کہ پہلا ضروری نہیں اور دوسرا ممکن نہیں۔[1]اس لیے انھوں نے اسلام کی تجدید نو (Revival) کا بیڑا اٹھایا جس کا نام تو اسلام ہو مگر اندر کی ساری مشینری تبدیل شدہ ہو۔ذہن تو مسلمانوں کا ہو مگر سوچ اور فکر مستشرقین کی ہو۔ان کی اپنی زبان غیروں کی ترجمانی کرے۔نورمان ڈینیئل ان خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

"The invariable tendency to neglect what the Qur'an meant, or what Muslims thought it meant, or what Muslims thought or did in any given circumstances, necessarily implies that Qur'anic and other Islamic doctrine was presented in a form that would convince Christians; and more and more extravagant forms would stand a chance of acceptance as the distance of the writers and public from the Islamic border increased".[2]

"یہ ایک مستقل رجحان رہا ہے کہ قطع نظر اس سے کہ قرآن کا مفہوم کیا ہے یا اس سے مسلمان کیا مفہوم لیتے ہیں یا مسلمان کیا سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ہر حالت میں اس کا انکار کیا جائے،اور یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ قرآن اور دوسرے اسلامی نظریات کو اس طرح پیش کیا جائے جو مسیحیوں کے لیے قابل قبول ہوں۔اور زیادہ سے زیادہ مبالغہ آمیزی میں اس کی قبولیت کے مواقع بھی بڑھ جائیں گے اور مصنفین اور عوام کا اسلامی سرحدات سے فاصلہ بھی زیادہ ہو جائے گا"

عصر حاضر کے مستشرقین اور مشنریز صدیوں کے تجربے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کھلی مخالفت اور تضادات کو چھوڑ مشترکات کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ مسیحی مذہب اور تہذیب کی فوقیت کو برقرار رکھا جائے اور باور کروایا جائے کہ دنیاوی ترقی صرف اور صرف مسیحی تہذیب کو اپنانے میں ہے۔اسی لیے کینتھ کریگ مسیحیوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ اسلام میں نئی جہات کی تلاش کے لیے وہ اسلام کا مطالعہ کریں۔جس میں مسیحیت کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی ہو۔خواہ مسلمانوں کو یہ بات اچھی لگے یا نہ لگے۔

---

[1] Bernard Lewis, Islam and the West,13
[2] Norman Daniel , Islam and the West: The Making of an Image,(Oxford 1993), 259-260

> "It may happen that the Christian Endeavour to understand Islam to the full will results in Christian expositions of Islam that many actual Muslims would not recognize as familiar. But there is nothing surprising in this possibility nor appropriate".[1]

> "شاید مسیحیوں کو اسلام کے مطالعہ سے مسیحی خواہش کے مطابق نتائج حاصل کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی پڑے اور یہ بہت سے مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو گا۔ لیکن یہ کوئی حیران کن اور نامناسب بات نہیں ہو گی"

ایڈورڈ سعید مستشرقین کے مطالعہ اسلام کے عزائم کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قرون وسطی اور نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی دور میں مسیحیوں نے اسلام کی بدنما تصویر پیش کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے۔ جس میں شاعری، علمی اختلافات اور افسانوی ادب شامل ہے۔[2] اس مقصد کے لیے انھوں نے اسلامی علوم کے تراجم اپنی زبان میں کرنے کے لیے بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں عربی و علوم اسلامیہ کے نہ صرف شعبے قائم کیے بلکہ باقاعدہ عربی کی تدریس کا بندوست بھی کیا۔[3] مسیحی علماء کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ عربی سے واقفیت پیدا کریں اور ان کے لیے اس کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔ مطالعہ اسلام کے لیے اداروں میں عربی کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ ۱۵۰۰ء میں پیرس میں College de France بنایا گیا اور ۱۵۳۰ء میں وہاں پر عربی کا شعبہ قائم کیا گیا، ۱۶۱۳ء میں ہالینڈ میں یونیورسٹی آف لینڈن میں اور ۱۶۳۲ء میں کیمبرج اور ۱۶۳۴ء میں آکسفورڈ میں عربی کا شعبہ قائم کیا گیا۔[4] ان حالات و واقعات سے بھی یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مستشرقین کا مقصد یہودیت اور مسیحیت میں اشاعت اسلام کو روکنا ہے اور ان کو یہ باور کروانا ہے کہ اسلام کی بجائے ان کے اپنے ادیان ہی صراط مستقیم ہیں۔ انھیں میں دنیاوی اور اخروی بھلائی پنہاں ہے۔ اسلام تو دین ہی نہیں۔ اس کے پیغمبر تو پیغمبر کہلانے کے مستحق ہی نہیں۔ اور اگر ہیں بھی تو مسیحیت سے مختلف نہیں بلکہ وہی باتیں ہیں جو مسیحیت میں پائی جاتی ہیں۔

> "That Christianity itself is vitally concerned with the same understanding lying themes that are at heart of Islam...It begins with what Christians have in common with Muslims".[5]

> "مسیحیت بھی وسعت کا وہی نکتہ نظر رکھتی ہے جو اسلام کا مرکز و محور ہیں۔۔۔ اس کا آغاز اُن سے ہوتا ہے جو مسیحیت اور اسلام میں مشترک ہیں"

اس لیے تو مستشرقین ان امور کو زیادہ اجاگر کرتے ہیں جو اہل کتاب اور مسلمانوں میں مشترک ہیں جیسے کائنات، اخلاقیات اور انسانی ہمدردی وغیرہ اور ان امور کی کی زیادہ نکیر کرتے ہیں جو اسلام کا خاصہ ہیں جیسے وحی، قرآن، معجزات اور خود نبی ﷺ کی ذات۔ ان کوششوں کی وجہ سے مستشرقین ان اہل اسلام میں

---

[1] Cragg Kenneth , Sandals at the Mosque: Christian presence amid Islam (London: SCM,1959) ,90
[2] Edward W. Said, Orientalism,(London:Penguin,1977) , 61
[3] الجبری، عبدالمتعال، الاستشراق وجہ للاستعمار الفکری (قاہرہ: مکتبہ وہبہ، 1995ء)، 55
[4] العقیقی، نجیب، المستشرقون، (مکہ: دارالمعارف، 1964)، 152
[5] Cragg Kenneth , Sandals at the Mosque, 20

شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جو اسلامی تعلیمات سے کما حقہ واقف نہیں ہوتے یا وہ لوگ جو اسلامی تعلیمات کے حصول کے لیے بھی ان مستشرقین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ان میں زیادہ تر وہ پڑھے لکھے لوگ شامل ہیں جو اعلی تعلیم کے لیے مغرب کی یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں اور اسلام کی تعلیم مستشرق اساتذہ اور ان کی لکھی ہوئی کتب سے حاصل کرتے ہیں۔جس سے وہ اصل اسلام کی بجائے مستشرقین اور عیسائی مشنریز کا تیار کردہ اسلام کا جدید اور ترقی پسند ایڈیشن اپناتے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السبائی نے اپنی کتاب الاستشراق والمستشرقین مالھم وماعلیھم میں ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کے ایک درس کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے الازھر یونیورسٹی میں دیا تھا۔ جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے ،ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے کلاس میں آتے ہی فرمایا:

"آج میں آپ حضرات کو فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایسے علمی انداز میں لیکچر دوں گا جس کی ازھر یونیورسٹی کو ہوا تک نہ لگی ہو گی میں آپ حضرات سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ازھر یونیورسٹی میں چودہ سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا لیکن اسلام کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن جس طرح میں نے اسلام کو جرمنی میں اپنے دوران تعلیم سمجھا۔ڈاکٹر علی حسن کی یہ بات سن کر ہم ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے حدیث نبوی کی تاریخ سے اپنے درس کا آغاز کیا۔ان کے ہاتھ میں ایک ضخیم کتاب تھی جس سے وہ عبارات نقل کر رہے تھے اور یہ دعوی کر رہے تھے کہ وہ ایک علمی حقیقت ہے۔ (بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ وہ مستشرق گولڈ زیہر کی دراسات اسلامیہ تھی) درس چلتا رہا جہاں کوئی قابل اعتراض جملہ آتا تو ہم بر محل گرفت کرتے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب گولڈ زیہر کی کتاب میں جو رائے اور فکر پیش ہو جاتی اسے غلط تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔یہاں تک کہ انھوں نے اپنے لیکچر میں حضرت امام زہری پر اموی خلفاء کی تائید میں وضع حدیث کی تہمت باندھی۔ گو میں نے مناقشہ کیا مگر ڈاکٹر صاحب اپنی رائے پر قائم رہے"[1]

اسی حقیقت کو مریم جمیلہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"Those in power, both in the east and the west, are trying to destroy the genuine Islam by substituting a counterfeit modern, liberal and progressive version manufactured by the oreintalists and Christian missionaries in London and New York"[2]

"مشرق اور مغرب میں جو لوگ طاقت میں ہیں وہ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ حقیقی اسلام کو نقلی، جدید روشن خیال اور ترقی پسند اسلام سے بدل دیں جو لندن اور نیویارک میں مستشرقین اور مسیحی مشنریز کا تیار کردہ ہے"

اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ مستشرقین کی کتب خواص کے لیے ہیں ان سے اچھا یا برا اثر صرف خواص لیتے ہیں عوام یا عام مسلمانوں پر بلاواسطہ یہ کوئی اثر نہیں ڈالتے۔ کیونکہ عام آدمی نہ تو ان کی زبان پر عبور رکھتا ہے اور نہ ہی ان کی فلسفیانہ موشگافیوں کی کھتیاں سلجھا سکتا ہے۔ لیکن فکر کی بات تو یہ ہے کہ وہ نظریات جو مستشرقین کے ہیں یا وہ ابہامات جو مستشرقین کے پیدا کردہ ہیں وہ عام مسلمانوں میں زبان زد عام کیوں ہیں؟۔ جیسے احادیث کا غیر

---

1 مصطفیٰ السبائی، ڈاکٹر،الاستشراق والمستشرقون مالھم وماعلیھم، اردو ترجمہ ،نورالحسن خان نعیمی،ازہری، استشراق اور مستشرقین ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ، (گجرات،انڈیا: مرکز اہل سنت) ۲۸۔۲۷

2 Maryam Jamila, Islam and Modernism (Lahore: Muhammad Yousaf Khan, 1977),239

معتبر ہونا، تاریخ اسلام پر عدم اعتماد، قرآن کی آزادانہ تفسیر، قرآن پر غور و فکر کے آزادانہ زاویے وغیرہ۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ مثلاً مستشرقین کی کتب کے تراجم، مغرب زدہ میڈیا، مستشرقین پر یونیورسٹیوں اور دیگر تحقیقی اداروں میں مقامی زبانوں میں تحقیقی کام ہونا، مستشرقین سے متاثرہ گروہ کی کتب، رسائل و جرائد اور تقاریر کی آزادانہ نشرواشاعت، مغربی اداروں سے فارغ التحصیل اور ایلیٹ کلاس کے لوگ۔

یہ تمام عناصر الحاد اور مستشرقین کے نظریات کو دانستہ اور نادانستہ طور پر عام آدمی تک پہنچانے کا سبب بن رہے ہیں۔ ان عناصر میں کچھ کا سیاسی مقصد اور ایجنڈا ہوتا ہے جیسے اہل اقتدار طبقہ، اور کچھ کو مذہب سے زیادہ معاشرتی سٹیٹس کی فکر ہوتی ہے جیسے ایلیٹ کلاس اور کچھ کا معاشی مقصد ہوتا ہے جیسے میڈیا اور نام نہاد روشن خیال طبقہ۔ یہ سب دانستہ گروہ میں شامل ہیں لیکن یونیورسٹوں کے سکالرز اور تحقیقی اداروں کے محققین نادانستہ طور پر اس دوڑ میں شامل ہیں۔ وہ کیسے؟ جبکہ ان کا مقصود تو فکر استشراق کو روکنا اور اس کے اثر و نفوذ کو اسلامی سرحدات سے دور رکھنا ہے۔ آئیں اس پر ذرا تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ اسلام کے بارے میں مستشرقین کے افکار و نظریات پر تحقیقی کام اسلامی ممالک میں موجود تمام بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں ایم۔اے، ایم فل، اور پی ایچ ڈی کی سطح پر بڑے زور و شور سے جاری ہے۔ اس تحقیقی کام میں کسی مستشرق کی کسی کتاب کا انتخاب بھی کیا جاسکتا ہے اور علوم اسلامیہ کی کسی ایک شاخ جیسے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور حدود تعزیرات وغیرہ پر مستشرقین کی مجموعی سوچ پیش کر کے ان کا رد اسلامی تناظر اور اسلامی مصادر و مراجع کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عقلی اور منطقی طریقہ کار کو بھی بروئے کار لایا جاتا ہے۔ جس کا مقصد مستشرقین کے حملوں کو روکنا اور مسلم امت کو ان کے اثرات سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان مستشرقین کے ہم مذہب لوگوں کو بھی یہ یقین دہانی کروانی مقصود ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور علوم اسلامیہ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اسلام کا ان سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ کام بظاہر بہت ہی نادر اور مستحق اجر و ثواب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ازروئے انصاف دیکھا جائے تو کیا یہ کام ایسا ہی ہے جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے؟۔ نہیں ہرگز نہیں۔ درحقیقت یہ تمام عرق ریزی، مال و زر اور وقت کا استعمال بلواسطہ طور پر اس مستشرق یا مستشرقین کے نظریات اور سوچ کو عام آدمی تک پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔ وہ عام آدمی جو اس تحقیق سے پہلے نہ تو اس مستشرق سے واقف تھا اور نہ اس کی کتاب سے۔ لیکن جب اس کی کتاب کا مقامی زبان میں ترجمہ اور تحقیق ہوئی تو عام آدمی تک اس کی رسائی ہوئی جس سے اس مخلص اور سادہ لوح مسلمان کے خیالات و نظریات بھی متاثر ہوئے۔ اس کی زبان سے بھی وہ باتیں نکلنی شروع ہوئیں جو مستشرقین کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مستشرقین اور مشنریز کے اہداف و مقاصد ایک جیسے ہی ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مشنریز عوام کو ٹارگٹ کرتے ہیں اور مستشرقین کا ہدف خواص ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کی کتب کے تراجم مقامی زبان میں ہوتے ہیں تو خواص سے نکل کر ان کے اثرات عوام تک جا پہنچتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد علوی کے بقول

جب مصر میں گولڈزیہر کی کتاب "العقیدة و الشریعة فی الاسلام" کے عنوان سے عربی میں ترجمہ ہوئی اور اس کے خیالات عرب کے علمی حلقوں تک پہنچے۔[1] اب سوچیے اگر ان مستشرقین کی کتب کے تراجم اور ان پر تحقیق نہ ہوتی تو سوائے معدودے چند کوئی ان پر توجہ نہ دیتا اور نہ ہی ان کے خیالات و نظریات مسلمانوں میں پھیلتے۔ اگر یہ تراجم اور تحقیق کا سلسلہ شروع نہ ہوتا تو ان مستشرقین کا دائرہ کار صرف اور صرف اپنے ہم زبان لوگوں تک محدود رہتا اور دوسرے لوگ ان کے اثرات سے محفوظ رہتے۔ اگر ہم رئیس المستشرقین کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اردو، ہندی، بنگالی، عربی، ملائی یا کسی اور ایشیائی یا افریقی زبان میں کتاب نہیں لکھی۔ لیکن آج مسجد، مدرسہ، کالج، یونیورسٹی اور ہر جگہ انھیں مستشرقین کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وہ جگہیں جہاں قال اللہ و قال الرسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند ہوتی تھیں آج وہیں پر واٹ، میور، اور گولڈزیہر کے نام پکارے جاتے ہیں۔ کیونکہ آج کے محقق نے اسلامی دنیا کے حوالے سے انھیں گوشہ تنہائی سے نکال کر بر سر منبر براجمان کر دیا ہے۔ ان کی کتب کے تراجم نے اسلام میں ان خاص قسم کے منطقی سوالات کو جنم دیا جو مسلمانوں کے وہم و گمان بھی نہ تھے اور آج اکثریت مسلمانوں کی انھیں مستشرقین کی زبان بول رہی ہے۔ عوام تو عوام خواص بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مالک بن نبی طہ حسین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ طہ حسین کی کتاب "اشعر الجاھلی" جس نے مصر میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ طہ حسین نے یہ کتاب برطانوی مستشرق مارگولیتھ کے افکار سے متاثر ہو کر لکھی۔[2] سر سید احمد خاں نے ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کا جواب خطبات احمدیہ لکھ کر دیا جسے آج تک بہت سراہا جا رہا ہے۔ لیکن ان پر اس کا کیا اثر ہوا ڈاکٹر ٹرول کے مطابق سر سید کو انکار معجزات کی راہ دکھانے میں سر ولیم میور کی معجزات پر تنقید نے اہم کردار ادا کیا۔[3]

یہود و نصاری کے انھی اثرات و عوامل کے پیش نظر حضرت محمد ﷺ نے صحابہ کرام کو یہود و نصاری کی کتب پڑھنے اور ان سے استفادہ سے منع فرمایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب سے ایک کتاب لائے اور اسے آپ ﷺ کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: اے ابن خطاب کیا اپنے دین کے معاملے میں تم بھی کچھ حیرت میں مبتلا ہو، اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف شریعت لایا ہوں، اہل کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھا کرو، کہیں وہ تمہیں کوئی سچی بات بتا دیں اور تم اس کی تکذیب کر دو یا غلط بات بتائیں اور تم اس کی تصدیق کر دو۔[4] علامہ شبلی فرماتے ہیں جب شام اور عراق کی فتح کے دوران مسلمانوں کے ہاتھ یہودیوں کی تصنیفات آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کے پڑھنے سے روکا۔[5]

---

1 علوی، خالد، ڈاکٹر، حفاظت حدیث، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2005)، 21

2 مالک بن نبی، جدید اسلامی فکر پر مستشرقین کے اثرات، مترجم، ڈاکٹر ظفر اسلام خاں (نئی دہلی، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربیک سٹڈیز، 1996)، 12

3 سی ڈبلیو ٹرول، ڈاکٹر، سر سید احمد خاں: فکر اسلامی کی تعمیر نو، ترجمہ۔ ڈاکٹر قاضی افضل حسین اور اکرام چغتائی (لاہور: القمر انٹرپرائز، 1998)، 206،207

4 خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، (لاہور: مکتبہ محمدیہ، 2012)، 1:154، رقم 177

5 شبلی نعمانی، الفاروق، (لاہور: بک فاونڈیشن)، 510

المیہ تو یہ ہے کہ ہم نے اپنی تاریخ سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔بنو امیہ کا دور خالص اسلامی دور تھا جس میں ہمیں عقل پرست فرقوں کا وجود نہ ہونے کے برابر نظر نہیں آتا ہے اور فلسفیانہ بحثوں کے اکھاڑوں کا تو وجود ہی نہ تھا۔ لیکن جب بنو عباس کا دور آیا علم کو وسعت دینے اور دوسروں کے علوم سے استفادہ کے لیے دارالحکمت کا قیام عمل میں لایا گیا۔یونانی ہندی اور دیگر زبانوں کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا جس سے مسلمانوں میں یونانی عقل پرستی اور ان کے نظریات سے فلسفیانہ بحثیں شروع ہوئیں۔یہ مناظرہ بازی انسانی زندگی کے عام مسائل سے نکل کر وجود باری تعالیٰ،اس کی جہت ،استویٰ علی العرش، تقدیر، مجبور محض یا قادرالمطلق تک جا پہنچی بلکہ اس سے بڑھ کر ایک دوسرے کی تکفیر پر جاکر منطبق ہوئیں۔اگر اس دور کا موازنہ موجودہ دور میں مستشرقین پر تحقیق سے کیا جائے تو حالات خواہ کچھ بھی ہوں مد مقابل خواہ پڑھا لکھا طبقہ ہی ہو لیکن نتائج کا ظہور ایک ایسا ہی ہے۔ آغاز میں یونانی نظریات اور اس سے متاثرہ گروہ کی بحثیں بھی خواص میں ہی ہوتی تھی اور اس تکرار میں شامل دونوں گروہ بھی مسلمان تھے اور ان کا علم اور دور میرے اور تیرے دور سے بہتر اور خیر القرون کے قریب تر تھا۔اگر ان میں اجنبی تھے تو یونانی نظریات اور ان کے منطقی اثرات،اور ان اثرات کا وہ نتیجہ نکلا جس نے مسلم امہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ مسلمانوں میں ایسی خلیج پیدا ہوئی جو آج تک پر نہیں ہو سکی۔اور تو اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ان مباحث سے نہ بچ سکی۔ لیکن ان خواص کی بحث بھی خواص تک محدود نہ رہی ان کا دائرہ عوام تک وسیع ہو گیا۔ دربار، مسجد، مدرسہ، گلی اور محلہ ان سے محفوظ نہ رہا۔ان یونانی نظریات کے مباحث نے ایسے فرقوں کو جنم دیا جنھوں نے امت کے اتحاد کو ختم کر دیا۔ان فرقوں میں معتزلہ ،قدریہ، جبریہ، جہمیہ، ماتریدیہ وغیرہ شامل ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ حلول، وحدت الوجود کے قائلین معرض وجود میں آئے۔ عقل کی لامحدود تاویلات نے سنی، شیعہ اور خوارج کے لاتعداد فرقوں کو جنم دیا۔اب گر تحقیقی اور تجزیاتی پہلوؤں سے اس سابقہ دور کا موازنہ موجودہ دور کے جدت پسندوں سے کیا جائے تو وہی مقاصد سامنے آئیں گے جو اُس وقت تھے۔ قرآن و سنت کی عائد کردہ حدود سے فراری، عقل پرستی، اتباع سنت ترقی میں رکاوٹ، بنیاد پرستی وغیرہ۔ یہ سوچ موجودہ دور کے مسلمانوں میں کہاں سے آئی جبکہ یہ امت تو نبی ﷺ کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنی والی ہے۔ قرآن کے کسی ورق یا اس کے کسی حصہ کو زمین سے اٹھا کر چومتے نہیں تھکتی اور اب انھیں میں کچھ لوگ وحی، سنت، معجزات وغیرہ کا تقریروں اور تحریروں میں انکار کرتے ہیں۔ ظاہراَ اس کے دو ہی اسباب نظر آتے ہیں۔ایک غیر مسلم محققین یعنی مستشرقین اور دوسرا روشن خیال، جدت پسند مغرب زدہ مسلمان۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ ایک ہی سبب ہے وہ ہے مستشرقین، خواہ جدت پسند طبقہ ان کی کتب سے متاثر ہوا یا ان کے اداروں میں تعلیم کے حصول نے ان میں یہ جراثیم پیدا کیے ہوں۔ یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ اگر مستشرقین کے افکار و نظریات اور ان کی کتب کو زیر بحث نہ لایا جائے تو اس کا سیدھا سادھا یہ مطلب ہوا کہ وہ قرآن، صاحب قرآن اور دیگر علوم اسلامیہ کے بارے میں جو کچھ کہیں اس کو خاموش تماشائی

بن کر برداشت کریں اور میدان معاندین اسلام کے لیے کھلا چھوڑ دیں کہ جس کے جی میں جو آئے کہتا رہے۔ لیکن یہ بات ہماری دینی غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ ان معاندین اسلام کے اعتراضات اور اتہامات کا جواب دینا ایک مسلمان کا قومی اور دینی فریضہ ہے۔ لیکن ان تمام چیزوں کا جواب کس طرح دینا ہے یہ بات قابل غور ہے اس کے لیے چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

سفارشات و تجاویز:

1. ایک محقق شتر بے مہار نہیں ہوتا بلکہ ایک مسلم محقق تو بالکل بھی ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ قرآن اور اسوہ رسول ﷺ کا پابند ہوتا ہے۔ اس لیے ہم سب کا یہ دینی فریضہ ہے کہ ہر معاملہ میں نبی ﷺ کی سنت کو اپنائیں۔ مستشرقین کا طریقہ کار کسی طرح بھی کفار کے طریقہ کار سے مختلف نہیں۔ کفار اور اہل کتاب کی دل آزار باتوں کے جواب میں قرآن نے ہمیں یہ طریقہ کار بتلایا۔
"لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ"[1]
2. آپ ﷺ کا طرز عمل، صبر، برداشت اور بے اعتنائی کا تھا۔ عرب شعراء آپ ﷺ کو گالیاں دیتے۔ ہجو بیان کرتے، آوازے کستے، برے القابات سے پکارتے، صحابہ کرام اس پر پیچ و تاب کھاتے تو آپ ﷺ ان کی تسلی کے لیے فرماتے کہ یہ محمد ﷺ کو نہیں بلکہ مذمم کو کہتے ہیں۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ اگر مستشرقین کسی بات کو ڈھکے چھپے انداز میں یا اشارہ و کنایہ کی زبان میں کہتے ہیں تو ہم تحقیق کے نشے میں کھینچ تان کر اس کو نبی ﷺ یا قرآن پر منطبق کر کے دم لیتے ہیں یا جو بات اکثریت کی فہم سے بالاتر ہوتی ہے ہم اس کو قابل فہم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی گستاخ آمیز فلم، کسی اخبار یا رسالے میں تضحیک آمیز خاکے یا شوشل میڈیا پر خلاف ادب بات وارد ہوتی ہے تو ہم تھوری سی نادانی میں ایمانی جذبے کے تحت اس کے خلاف اپنے ملک میں توڑ پھوڑ، جلسے جلوس، جلاؤ گھیراؤ شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے اس اخبار، کتاب، رسالے یا ویب سائٹ کی تشہیر ہر خاص و عام تک ہو جاتی ہے اور ہر کوئی اس کو خریدنے اور دیکھنے کے لیے اسے منہ مانگے دام ادا کرتا ہے۔ جس سے نہ صرف اس پبلشر، اخبار، رسالے یا ویب سائٹ کی ریٹنگ بڑھتی ہے بلکہ ان کے مالکان کو کڑروں کا فائدہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک میں اربوں کا نقصان۔ فائدہ کس کا ہوا؟ ہمارا، اسلام کا یا ان مستشرقین کا۔
3. مستشرقین کی کتب، تقاریر، انٹرویوز اور شوشل میڈیا پر وارد مواد کو جس حد تک ممکن ہو اگنور کیا جائے۔ یہ ان سے سب سے بڑا انتقام ہو گا۔ اور حاسدین کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ انھیں حسد میں جلنے دیا جائے۔

[1] آل عمران 3:186

4. مستشرقین تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے نظریات اور اسلام کے متعلق ان کی آراء مسلمانوں میں زیر بحث آئیں تاکہ ان کی سطحی باتوں کو زیادہ سے زیادہ فروغ ملے۔ سورہ نور میں واقعہ افک کے حوالے سے جب مسلمان منافقین کی پھیلائی ہوئی افواہوں کا آپس میں اپنے گھروں میں ذکر کرتے تو اللہ تعالی نے ان مخلص مسلمانوں کو یہ کہہ کر روکا کہ یہ بد طینت لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے پاکیزہ گھروں میں ایسی بے حیائی کی باتیں ہوں۔[1] تاکہ تم پر اس کا اثر پڑے۔ اس لیے غلط اور بے سروپا باتیں پھیلانا اس قرآنی آیت کے ذیل میں آتا ہے۔[2]
5. موضوع بحث کے لیے اگر ضروری ہو تو صرف ان مستشرقین کو منتخب کیا جائے جو ڈائریکٹ مسلم آبادی کو متاثر کر رہے ہوں۔ اس میں بھی تخصیص کی ضرورت ہو گی کہ ان اثر انداز ہونے والے مستشرقین کا دائرہ اثر عوام تک ہے یا خواص تک۔ اگر خواص تک ہی محدود ہو تو صرف خواص کو ہی راہ راست پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔
6. مستشرقین کو جواب انھیں کے ہتھیار سے دیا جائے مثلاً وہ تقریر و تحریر کے لیے جس زبان کا استعمال کرتے ہیں ہمیں بھی اسی زبان میں جواب دینا ہو گا۔ ان کو جوابات دینے کے لیے مقامی زبان کا استعمال بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسی تحریریں ان مستشرقین کا تو کچھ نہیں بگاڑ تیں بلکہ الٹا مقامی مسلم آبادی میں مستشرقین کے افکار و نظریات کی اشاعت کا سبب ضرور بنتی ہیں۔
7. آج ذرائع ابلاغ کا سب سے موثر ذریعہ الیکٹرانک میڈیا ہے۔ اس لیے جو اسلام مخالف نظریات کے لیے جس میڈیا کا استعمال کرتا ہے اس کے جواب کے لیے وہی چینل استعمال کیا جائے۔ اور ان میں سے جن ذرائع کو ہم روک سکتے ہیں انھیں ملکی اور انفرادی سطح پر روکنا چاہیے۔ لیکن قانون کا احترام ہر حال میں کیا جائے۔
8. اسلام انسانیت کے لیے للہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور للہ کی طرف سے بھیجا ہوا دین ہے۔ جو ہر طرح کے حالات اور تبدیلیوں میں اپنی افادیت اور ضرورت کو برقرار رکھے گا۔ یہ ایک انقلابی دعوت ہے جس کے گہرے اور دور رس اثرات مادی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر ازل تک مرتب ہوتے رہیں گے، لہٰذا مدلل اور تقابلی انداز میں اس کی حقانیت کو واضح کرنا دورِ حاضر کی اہم ضرورت ہے۔ اس لیے مسلم سکالرز جتنا وقت، پیسا اور وسائل مستشرقین کے بے بنیاد اعتراضات کا جواب دینے میں صرف کرتے ہیں اگر یہی وسائل مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور عصر حاضر کے چیلنجز (معاشی، سیاسی، سماجی، قومی اور بین الاقوامی) کو اسلام کے تناظر میں متعارف کروانے میں لگائیں تو نہ صرف مسلم امہ کی پسماندگی دور ہو گی بلکہ ہم دنیا کو لیڈ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

---

[1] النور 19:24

[2] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (کراچی: ادارہ معارف، 1997)، 380:6

9. مسلم اسکالرز جو مستشرقین سے متاثر ہو کر قلم و قرطاس کے ذریعے سے مستشرقین کے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں ان کا محاسبہ کیا جائے ۔ تاکہ عوام الناس کو الحادی نظریات سے محفوظ کیا جاسکے۔

10. نوجوان مسلم نسل کے ذہن میں قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ وغیرہ کے حوالے سے جو نئے نئے سوالات پیدا ہو رہے ہیں ان کو الحاد ،میڈیا کے اثرات، یہودی وعیسائی لابی کی ریشہ دوانیاں کہہ کر نہ ٹالا جائے بلکہ نقلی اور عقلی سطح پر ان کے اذہان کی تشفی کی جائے تاکہ وہ ان سوالات کے جوابات کے لیے غیروں کی طرف رجوع نہ کریں۔ جبکہ آج کے دور میں بھی ہمارا حال یہ ہے کہ مسجد کے امام، مدرسہ کے شیخ، سکول کے ماسٹر، کالج اور یونیورسٹی کے پروفیسر سے علمی مباحثہ کرو تو وہ اسے گستاخی خیال کرتا ہے اور اس کا انجام سب کے سامنے ہے۔ اس لیے ہمیں تعلیمی میدان میں خود کفالت حاصل کرنا ہو گی تاکہ اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہا جاسکے۔

مولانا ابوالحسن ندوی فرماتے ہیں:

> "It was expected of the sons of Islam to make their own Universities so self-sufficing of their requirements in the fields of Islamic history. law. Literature etc... nor the under standing of Arabic prose and poetry would have required the help of a Margolioth" **1**

> "فرزندان اسلام سے یہ توقع تھی کہ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل اور اسلامی تاریخ، قانون اور ادب وغیرہ شعبوں میں خود کفالت کے لیے اپنی یونیورسٹیاں بنائیں گے۔ تاکہ جو عرب اور ایران کی ادبی اور ثقافتی تاریخ کے بارے میں مزید مطالعہ کا شوقین ہو اسے کسی نیکلسن، براؤن اور ہٹی کی طرف نہ دیکھنا پڑے۔ اور جو کوئی شریعت، حدیث اور اسلامی فقہ کا مطالعہ کرنا چاہے اسے کسی گولڈ زیہر یا شاخت کی طرف نہ دیکھنا پڑے، عربی نثر اور شاعری کے لیے مارگولیتھ کی ضرورت نہ ہو"

نتیجۃ البحث:

اس تمام بحث سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مستشرقین کی تمام محنت و کاوش کا اصل مقصد اپنے ہم مذہب اور دیگر غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کرنا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ اور ان مستشرقین سے زیادہ وہی مسلمان متاثر ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی حوالے سے ان کا مطالعہ کرتے ہیں یا ان کے اداروں میں تعلیم پاتے ہیں اور اسلام کے حوالے سے ان کا علم مضبوط نہیں ہوتا۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس پر باطل نہ آگے سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ پیچھے سے ان کی کوئی سازش کارگر ہو سکتی ہے۔ کوئی مسلمان کبھی بھی اور کسی سے بھی نبی ﷺ اور قرآن کے حوالے کوئی غلط بات سن کر یا پڑھ کر متاثر نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اس لیے کہ ہم خود اپنے دین کا کماحقہ علم نہیں رکھتے اس لیے غیروں کی تالیفات اور بیانات پر تحقیق کی مد میں جو وقت اور پیسہ خرچ کیا جاتا ہے اگر وہی وقت اور پیسہ مسلمانوں کی تعلیم اور تربیت اور اسلامی حوالے سے جدید اذہان میں پیدا ہونے والے نئے رجحانات کی تسلی اور تشفی کے لیے اور علوم اسلامیہ کی

---

[1] Nadwi, S. Abul Hasan Ali , Isalmic studies , oreintalists and Muslim scholars, Translation: Muhiuddin Ahmad Academy of Islamic Research & publications ,P.O.Box 119, Lucknow,India.

درسگاہوں اور شعبہ جات کو جدید خطوط پر استوار کرنے پر صرف کیا جائے تو زیادہ بارآور ثابت ہوگا اور مستشرقین بھی اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ مستشرقین کے جوابات مقامی زبانوں کی بجائے اسی مستشرق کی زبان یا انگریزی میں دیا جائے۔ تاکہ اس مستشرق کے اولین مخاطبین کے سامنے اس کی علمی بددیانتی واضح ہو اور دوسرا عام مسلمان آبادی اس سے محفوظ رہے۔

@ 2022 by the author، this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)